پیاسی روحوں کا ٹھکانہ



تحریر فقیر سکندر علی نقشبندی

بے مثال سفر کا آغاز

لاڑکانہ کی سرزمین سے جب ہماری روحانی سفر کا قافلہ کراچی کے لیے روانہ ہوا، تو یہ کوئی عام سفر نہ تھا۔ اس قافلے میں پچاس (50) کے قریب وہ لوگ سوار تھے جن کی زندگیاں قال اللہ و قال الرسول ﷺ میں گزرتی ہیں۔ ہمارے ساتھ مفتیانِ کرام، شیخ الحدیث، علماء، حفاظ، اور مذہبی قائدین موجود تھے۔ راستے بھر میرے دل میں ایک ہی خیال آتا رہا کہ اتنے مختصر وقت میں اتنی بڑی تعداد میں علماء کا اتنے دور کے سفر کے لیے تیار ہو جانا خود ایک "قبولیتِ ربانی" ہے۔ علماء کرام کا دل جیتنا کوئی آسان کام نہیں، وہ اتنی جلدی کسی سے متاثر نہیں ہوتے، لیکن یہاں دلوں کی پیاس انہیں کھینچ کر لے جا رہی تھی۔

مسجدِ نایاب: مسجدِ زینب کا عکس

کراچی پہنچ کر جب ہم اس مسجد میں داخل ہوئے جہاں بیان ہونا تھا، تو ایک عجیب منظر سامنے تھا۔ یہ مسجد 1989 میں بنی تھی اور اس کا نام "مسجدِ نایاب" رکھا گیا تھا۔ جیسے ہی میں نے مسجد کی بناوٹ اور اس کی روحانی فضا کو دیکھا، میرا ذہن فوراً جھنگ میں موجود حضرت اقدس رح کی بنائی ہوئی "مسجدِ زینب" (معہد الفقیر ا لاسلامی) کی طرف چلا گیا۔ یہ محض اتفاق نہیں تھا، بلکہ یہ وہ مناسبت تھی ۔

علماء کے تاثرات اور روحانی انقلاب

اجتماع میں حضرت مولانا شمس الرحمن عباسی صاحب جیسے اکابرین کی موجودگی نے مجلس کو مزید چار چاند لگا دیے۔ واپسی پر جب میں نے اپنے

50 ساتھیوں سے ان کی کیفیت پوچھی، تو حیرت کی انتہا نہ رہی؛ تمام کے تمام ساتھی شیخ صاحب سے بیعت ہو چکے تھے۔ ایک عالمِ دین نے، ، بڑے رقت آمیز لہجے میں کہا: "میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسی روحانی مجلس اور ایسا سکون کہیں نہیں دیکھا

تجدید بیعت

میرے لیے بیعتِ ثانی کا فیصلہ کوئی آسان نہ تھا۔ میرے پہلے شیخ، محبوب العلماء والصحاء پیر طریقت رہبر شریعت حضرت مولانا حافظ شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ جو میرے محسن اور میری روحانی زندگی کے معمار تھے، ان کی وفات نے میرے دل کی دنیا کو ویران کر دیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ایک یتیم مسافر ہوں جس کا سائبان چھن گیا ہو۔ ان

کی یادیں اور ان کے دیے ہوئے اسباق میرے سینے میں محفوظ تھے، لیکن نفس کے مکر و فریب اور زمانے کی فتنہ سازیوں سے بچنے کے لیے مجھے ایک ایسے "زندہ دستِ شفقت" کی ضرورت تھی جو میرا ہاتھ پکڑ کر اس کٹھن راستے پر آگے بڑھا سکے۔

میں اس اجتماع میں اسی پیاس کے ساتھ آیا تھا۔ جب میری نظریں موجودہ شیخ مولانا عبداللہ احمد مدامت برکاتھم العالیہ پر پڑیں، تو مجھے ان کی صورت میں اپنے پہلے شیخ ہی کے فیض کا عکس نظر آیا۔ میں نے محسوس کیا کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، اور فیضِ الٰہی کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ میری بیعتِ ثانی درحقیقت میرے پہلے شیخ کی وفاداری کا ثبوت تھی، کیونکہ انہوں نے ہی مجھے سکھایا تھا کہ کبھی "بے مرشد" نہ رہنا۔ جب میں نے بیعت کے لیے ہاتھ

بڑھایا، تو مجھے ایسا لگا جیسے میرے پہلے شیخ کی روح مسکرا رہی ہو کہ ان کا لگایا ہوا پودا اب ایک اور شجرِ سایہ دار کے سائے میں پروان چڑھے گا۔

اس اجتماع سے واپسی پر میرا دل ایک عجیب سے سکون اور روشنی سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے وہاں صرف مجمع نہیں دیکھا، بلکہ انسانیت کی فلاح کا نقشہ دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح ایک شیخِ کامل کی نگاہِ کیمیا اثر نے طبقوں کے فرق کو مٹا دیا۔ وہاں کا عالم، وہاں کا سالک، وہاں کا امیر اور وہاں غریب سب ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔

میری بیعتِ ثانی نے مجھے یہ احساس دلایا کہ اللہ والے کبھی مرتے نہیں، بلکہ ان کا فیض ایک سینے سے دوسرے سینے میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ہم جیسے 'بظاہر نیک' لوگوں کے لیے ایک تازیانہ تھے

کہ ہم کبھی اپنی عبادت پر غرور نہ کریں، کیونکہ قبولیت کا معیار صرف 'ندامت' ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ بیعتِ ثانی شاید پہلے مرشد سے بے وفائی ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ وفاداری کی انتہا ہے۔ میرے پہلے مرشد نے مجھے سکھایا تھا کہ کبھی تنہا نہ رہنا، ہمیشہ کسی کامل کا ہاتھ تھامے رکھنا۔ جب میں نے موجودہ شیخ کو دیکھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے اپنے پچھلے عہد کی تجدید کر لی ہے۔ بیعتِ ثانی نے میرے اندر کی ویرانی کو ختم کر دیا اور مجھے ایک نیا حوصلہ ملا کہ سفرِ عشق ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ ایک نئے عزم کے ساتھ جاری ہے

تحدیثِ نعمت اور ابلاغِ حق

میں جانتا ہوں کہ شیخ صاحب کی عاجزی اور ان کا تقویٰ شاید اس تحریر کی تشہیر کو پسند نہ کرے، وہ تو شہرت سے کوسوں دور رہنے والے اسلاف کی یادگار ہیں۔ لیکن میں اپنی روح کے ہاتھوں مجبور ہوں! جب پہلی بیعت میں خاموش نا رہا دیونوان کی طرح حضرت اقدس رح کا تعارف کرانے سے ہزاروں کو فیض پہنچا ، تو آج کے اس سوشل میڈیا کے دور میں میرا خاموش رہنا ان لاکھوں پیاسی روحوں کے ساتھ زیادتی ہوگی جو آج بھی کسی سچے رہبر کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں۔ یہ تحریر کسی شخصیت کی ثناء خوانی نہیں، بلکہ اس "راستے" کا تعارف ہے جو گناہگار سے گناہگار انسان کو بھی (چاہے وہ قاتل ہو یا شرابی) خدا سے جوڑ دیتا ہے

ایوانِ اقتدار سے مصلے تک: عجز و انکساری کا ایک نادر منظر

کراچی کا یہ اجتماع جہاں علماء اور صلحاء کا مسکن تھا، وہیں یہ دنیا داروں کے لیے بھی ایک "تربیت گاہ" بن چکا تھا۔ ابھی شیخ صاحب مدظلہ کا بیان شروع ئی ہواتھا کہ اچانک مسجد کے دروازے سے دس پندرہ افراد داخل ہوئے۔ ان کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی بہت بڑی حکومتی شخصیت اور ان کا عملہ پہنچ چکا ہے۔ عام طور پر ایسے موقعوں پر "ہٹو بچو" کی صدائیں آتی ہیں، بیان روک دیا جاتا ہے یا اگلی صفوں میں جگہ بنانے کے لیے مجمع کو پریشان کیا جاتا ہے۔

!مگر یہاں منظر ہی دوسرا تھا

ہمارے شیخ مدظلہ، جو خود عاجزی اور انکساری کا پیکر ہیں، انہوں نے بیان کے دوران ایک لمحے کے لیے بھی اپنی توجہ نہیں ہٹائی۔ نہ کوئی مصلحت آڑے آئی، نہ کسی دنیاوی جاہ و جلال کا اثر لیا۔ وہ موجود وفاقی وزیر، جو ایوانوں میں صاحبِ اختیار تھے، یہاں ایک سالک کی طرح چٹائی پر بیٹھ گئے۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک وہ وزیر اور ان کے ساتھی،

بیان، مراقبے اور دعا میں اس طرح غرق رہے کہ گویا کوئی بچھڑا ہوا بندے اپنے رب جا ئے ملے

:مصافحہ کی لائن اور درویشی کا سبق

بیان اور دعا کے بعد جب مصافحہ شروع ہوا، تو ایک اور ایمان افروز منظر دیکھنے کو ملا۔ وہ وفاقی وزیر اپنے پروٹوکول کو بھول کر عام لوگوں کے ساتھ

مصافحہ کی لائن میں لگ بلکہ ایک پیاسے عقیدت مند کی طرح اپنی باری کا انتظار کیا یہ شیخ کی اس تربیت کا اثر تھا جس نے سکھا دیا کہ اللہ کے گھر میں کوئی وزیر نہیں، کوئی فقیر نہیں؛ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔

حضرت جی نے بھی کمالِ استغناء کا ثبوت دیتے ہوئے ان سے ایک عام مسلمان کی طرح مصافحہ کیا اور رخصت کیا۔ یہ منظر اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے شیخ کی دعوت صرف غریبوں کے لیے نہیں، بلکہ حکمرانوں کی اصلاح کے لیے بھی ہے۔:

سیاست دانوں کا اس طرح کھنچے چلے آنا ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی اس "روحانی سکون" کے متلاشی ہیں جو صرف اللہ والوں کی چوکھٹ پر ملتا ہے۔

یہ امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس سنت کا احیا ہے، جنہوں نے وقت کے بادشاہوں کو دین کی عظمت کے سامنے جھکنا سکھایا تھا۔

عالمی پذیرائی رکھنے والے بہ دیوانہ

ایک بات یاد آئے گئی شیخ صاحب کی شخصیت کا اثر صرف مقامی سطح تک محدود نہیں رہا، بلکہ قدرت نے ان کے فیض کو سرحدوں سے پار بھی پھیلا دیا ہے۔ اس کی ایک جیتی جاگتی مثال پاکستان کی وہ عظیم اور عالمی سطح پر معروف شخصیت ہے، جنہیں نہ صرف ملک کے **طول و عرض میں سنا جاتا ہے بلکہ عالمی دنیا بھی ان کی معترف ہے۔**

سنہ 2019 میں اسلام آباد کے آزادی مارچ کے موقع پر جب ان سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں شیخ صاحب کا ذکر کیا۔ انہوں نے اعتراف

کیا کہ وہ شیخ صاحب کی شخصیت اور ان کے اندازِ بیاں سے بے حد متاثر ہوں اور شیخ صاحب سے بعیت تھے یہ کوئی معمولی عقیدت نہیں تھی، بلکہ اس کا ثبوت ان کا وہ سوشل میڈیا پیج ہے جس کے فالوورز کی تعداد 45 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ اتنے بڑے حلقہِ اثر رکھنے والی شخصیت کا اپنے پیج پر شیخ صاحب کے بیانات کو باقاعدگی سے جگہ دینا اور انہیں فالو کرنا اس بات کی علامت ہے کہ شیخ صاحب کا پیغام جدید طبقے اور بااثر شخصیات کے دلوں میں گھر کر چکا ہے۔

یہ بات اس لیے بھی قابلِ ذکر ہے کہ عموماً اتنی بڑی عوامی شخصیات اپنی وال پر مذہبی مواد شیئر کرنے میں احتیاط کرتی ہیں، لیکن شیخ صاحب کی سادگی، ان کے خلوص اور ان کے بیانات کی تاثیر نے

انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اس خیر کو لاکھوں لوگوں تک پہنچائیں۔ یہ حقیقت اس بات پر مہرِ تصدیق ثابت کرتی ہے کہ جس کا تعلق اللہ سے جڑ جائے، اللہ دنیا کے مقبول ترین دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی تجدید اور نسبتِ مجددی کا ظہور

برصغیر پاک و ہند کی روحانی تاریخ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ورود ایک عظیم انقلاب تھا۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ جب یہ خطہ روحانی پیاس سے تڑپ رہا تھا، تو اللہ کی شان دیکھئے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کو اپنے شیخ کے حکم سے بخاراہ سے ہندوستان بھیجا گیا۔ آپ؄ کے ذریعے ہی امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ جیسی ہستی کو وہ نسبتِ نقشبندیہ عطا

ہوئی جس نے رہتی دنیا تک کے لیے اسلام کا چہرہ روشن کر دیا۔

بالکل اسی طرح، آج کے اس پرفتن دور میں ہمارے موجودہ شیخ کی شخصیت "امامِ ربانی" کے نقشِ قدم پر نظر آتی ہے۔ قدرت نے آپ کی ذات میں روحانیت کے تمام بڑے دریاؤں کو یکجا کر دیا ہے۔ آپ کو جہاں سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے فیض سے خلافت حاصل ہے، وہیں سلسلہ قادریہ راشدیہ میں آپ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے فیض سے نسبت سے ملی۔ سلسلہ سہروردیہ کا فیض آپ کو مخدوم سرور نوح رحمۃ اللہ علیہ کے اویسی سلسلے سے ملا۔

لیکن! اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے آپ سے جو عظیم کام لینا تھا، وہ سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج ہے۔

آپ اگرچہ تمام سلسلوں کے جامع ہیں، لیکن سالکینِ حق کو آپ جو "سلوک" طے کرواتے ہیں، وہ خالصتاً نقشبندی طریقہ ہے۔ یہ وہی نسبت ہے جو آپ کو حضرت اقدس حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی رح سے حاصل ہوئی اور جس نے دلوں کی بنجر زمین کو ذکرِ الٰہی سے سیراب کر دیا۔

سلسلہ نقشبندیہ کی عظمت

عالمِ ارواح کا ایک واقعہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی انفرادیت اور اس کی برتری کو سمجھنے کے لیے وہ واقعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جو مشائخ کی کتابوں میں درج ہے اور جس کا ذکر ہمارے پہلے مرشد حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں فرمایا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں دینِ اسلام کی تجدید اور سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ کا فیصلہ فرمایا، تو عالمِ ارواح میں ایک عظیم الشان مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس میں تمام بڑے سلسلوں کے بانی اور مشائخِ عظام موجود تھے۔ وہاں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حضرت شیخ خواجہ بہاؤالدین نقشبند جیسی جلیل القدر ہستیاں جلوہ افروز تھیں۔

اس نورانی محفل میں حضور نبی کریم ﷺ نے خلفائے راشدین کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وہ بتائیں کہ اس دورِ فتن میں امت کی اصلاح کے لیے کون سا

سلسلہ اور کون سی نسبت سب سے زیادہ مؤثر ہوگی؟
تب سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے سلسلہ نقشبندیہ کی طرف اشارہ فرمایا، کیونکہ اس سلسلے کی بنیاد ہی سنتِ نبوی کی اتباع اور "ذکرِ خفی" پر ہے جو انسان کے باطن کو بہت جلد جلا بخشتی ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلی اور آج ہمارے شیخ بھی اسی نسبتِ صدیقی کے امین بن کر ہزاروں دلوں کی اصلاح فرما رہے ہیں اتاکہ ھا لا خانقاہ میں کئی سالوں سے ذکر جہری چلتا رہا مگر ابھی صفر سلسلہ نقشبندی کا مراقبہ کی مجلس ہورئی ہے

جامع السلاسل شخصیت: نسبتوں کا سنگم

ہمارے شیخ کی ذات ایک ایسے بحرِ زخار کی مانند ہے جس میں روحانیت کے تمام بڑے دریا آکر ملتے

ہیں۔ آپ کے پاس جہاں سلسلہ نقشبندیہ کا سکون اور سنت کی اتباع ہے، وہیں سلسلہ چشتیہ صابریہ کا سوز و گداز بھی موجود ہے (جس کی بنیاد حضرت علی احمد صابر کلیریؒ کے بے مثال صبر پر ہے)۔ آپ کے کلام میں سلسلہ قادریہ راشدیہ اور حضرت احمد علی لاہوریؒ کی وہ توحیدی پکار ہے جو غافل انسان کو جھنجھوڑ دیتی ہے، تو آپ کی تربیت میں سلسلہ سہروردیہ کا وہ علمی وقار ہے جو مخدوم سرور نوحؒ کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

اصلاحِ سلاطین اور قطب ا لارشاد کا منصب

تاریخ گواہ ہے کہ سہروردی مشائخ اور امامِ ربانیؒ نے ہمیشہ وقت کے بادشاہوں کی اصلاح فرمائی؛ چاہے وہ جہانگیر ہو یا اورنگزیب عالمگیر۔ آج وہی نقشہ یہاں نظر آیا جہاں وفاقی وزراء اور لاکھوں

فالوورز رکھنے والی شخصیات دنیاوی جاہ و جلال چھوڑ کر ایک عام غلام کی طرح مصلے پر بیٹھی تھیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے شیخ کو "قطب الارشاد" کے منصب پر فائز کیا ہے، جن کا فیض "متعدی" ہے اور ہر طبقے کے دل میں گھر کر رہا ہے۔

رازِ تربیت اور انقلابی نسبتیں: ایک حیران کن امتزاج

ہمارے شیخ کی شخصیت قدرت کا ایک عجیب شاہکار ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک طویل حصہ تبلیغی مراکز میں گزرا، جہاں آپ نے حاجی عبدالوہاب صاحبؒ اور مولانا جمشید صاحبؒ جیسے قد آور اکابرین کی صحبت پائی۔ آپ کی تعلیم و تربیت اور بیرونِ ملک کے دعوتی اسفار بھی اسی تبلیغی نہج پر ہوئے، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ کے باطن میں تصوف و سلوک کا وہ رنگ غالب ہے جو "خانقاہی جمود" کو توڑ کر "انقلابی تڑپ" پیدا کرتا ہے۔

ایک علمی و روحانی راز:

یہ بات بظاہر سمجھ سے بالاتر لگتی ہے کہ ایک شخصیت جو رائیونڈ کے علمی و دعوتی ماحول کی فیض یافتہ ہو، وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت احمد علی لاہوریؒ سے اس قدر متاثر ہو کہ اپنے بیٹوں کے نام بھی انھی کے نام پر رکھ دے۔ یہ وہ عظیم شخصیات ہیں جن کا نام آتے ہی ذہن میں مالٹا کی قید، تحریکِ ریشمی رومال، اور باطل کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے والے جرنیلوں کا تصور ابھرتا ہے۔

اس نسبت کی حقیقت

یہ انتخابِ نام دراصل شیخ کے اس باطنی مشن کا اعلان ہے جس کی جڑیں تبلیغ سے سیراب ہیں مگر شاخیں شیخ الہند کے افکار تک پھیلی ہوئی ہیں:

محمود الحسن کی نسبت: علم اور جہاد کا وہ امتزاج جو انگریز کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دے۔

حسین احمد کی نسبت: وہ استقامت جو دار و رسن کی آزمائش میں بھی حق کا سودا نہ کرے۔

احمد علی کی نسبت: وہ قرآنی توحید جو شرک و بدعت کے اندھیروں میں چراغِ راہ بنے۔

تبلیغ اور انقلاب کا سنگم

شیخ کی شخصیت میں تبلیغی مزاج نے وہ "نرمی اور عاجزی" پیدا کی جس کے ذریعے وہ لاکھوں کے مجمع کو توبہ پر آمادہ کر لیتے ہیں، جبکہ اکابرِ دیوبند کی انقلابی نسبت نے وہ "ایمانی حرارت" عطا کی جس کی بدولت وہ ہر مجلس میں فلسطین اور دنیا کے مظلوموں کے لیے تڑپتے ہیں اور امت میں وہ جذبۂ جہاد دیکھنا چاہتے ہیں جو اسلاف کا ورثہ تھا

جس شیخ کو اللہ تعالیٰ "قبولیتِ عامہ" سے نوازتے ہیں، ان کا دل صرف اپنی اصلاح تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ پوری امت کے لیے تڑپنے والا دل بن جاتا ہے۔

خانقاہِ دارِ احسان (ہالا): پیاسی روحوں کا ٹھکانہ

کارگذاری کے اختتام پر میں ایک ایسی حقیقت کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جس نے میری عقل کو حیران اور دل کو ایمان کے نور سے منور کر دیا۔ ہالا (سندھ) ایک چھوٹا سا ٹاؤن ہے، مگر وہاں حضرت شیخ صاحب کی ہفتہ وار مجلسِ ذکر میں جو منظر نظر آتا ہے، وہ اس مادی دور میں کسی کرامت سے کم نہیں!

دور دراز کے مسافر اور سچی تڑپ:

آج کے دور میں جہاں لوگ اپنے محلے کی مسجد کے امام کا جمعہ کا بیان سننے کے لیے دس منٹ پہلے

آنے کو تیار نہیں ہوتے، وہاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ میری ملاقات وہاں چمن، مانسہرہ، وہاڑی، ملتان، جوہرآباد، سکھر، لاڑکانہ، قمبر، کراچی اور نواب شاہ سے آئے ہوئے مسافروں سے ہوئی۔ یہ لوگ سینکڑوں میل کا سفر صرف اس لیے طے کرتے ہیں کہ اللہ کے ایک ولی کی زبان سے اللہ کا نام سن سکیں اور اپنے زنگ آلود دلوں کو جلا بخش سکیں۔

اکابرِ دیوبند کا نظریہ اور نظامِ ولایت:

بعض لوگ یہ غلط فہمی پال لیتے ہیں کہ شاید ہدایت کا مرکز صرف ایک ہی جگہ ہے، حالانکہ اللہ کا نظام بہت وسیع ہے۔ جس طرح ایک ہی وقت میں کئی انبیاء علیہم السلام موجود ہوتے تھے، اسی طرح

ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے اولیاء پیدا فرمائے ہوتے ہیں جو اپنے اپنے حلقے میں ہدایت کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ اکابرِ دیوبند کا یہی نظریہ رہا ہے کہ جہاں سے آپ کو روحانی فائدہ پہنچے اور سنت کی اتباع ملے، وہی آپ کا قبلہ و کعبہ ہے۔

ایک مخلصانہ دعوت:

مومن کی ایک صفت یہ ہے کہ جو وہ اپنے لیے پسند کرے، وہی دوسرے بھائی کے لیے بھی کرے۔ میں نے حضرت شیخ کی صحبت سے جو روحانی سکون اور معرفت حاصل کی ہے، اس کے بعد میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وہ شخص جو سلوک و احسان کا متلاشی ہے، وہ ایک بار ضرور ہالا کی اس خانقاہ میں حاضر ہو کر دیکھے۔

، بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا جاتا ہے۔ ہر انسان کی اپنی کیفیات ہوتی ہیں، لیکن میرا یہ دعویٰ ہے کہ

جو بھی صدقِ دل سے یہاں آئے گا، وہ خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ آئیے! اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے، کسی اللہ والے کا ہاتھ تھام لیں، کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جو سیدھا جنت اور رب کی رضا کی طرف جاتا ہے۔

عقل و خرد سے ماورا: ایک درویش کی سادگی

اگر میں اپنے شیخ کی خانقاہی زندگی، ان کے شب و روز، ان کی سادگی اور ان کے تقویٰ کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دوں، تو شاید اس دورِ مادی کے لوگ مجھ پر یقین نہ کریں۔ آج کے زمانے میں جہاں چکا چوند اور پروٹوکول ہی کو بڑائی سمجھا جاتا ہے، وہاں ایک ایسی ہستی کا موجود ہونا جو تقویٰ اور پرہیزگاری کا جیتا جاگتا نمونہ ہو، کسی کرامت سے کم نہیں۔

سننے اور دیکھنے کا فرق

سچ تو یہ ہے کہ اللہ والوں کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے ہوتے ہیں جنہیں لفظوں میں بیان نہیں کیا جا

سکتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو صرف "سننے" سے سمجھ نہیں آتیں، بلکہ ان کے قریب جا کر، ان کے سائے میں بیٹھ کر ہی معلوم ہوتی ہیں۔ جب انسان انہیں قریب سے دیکھتا ہے، تو اسے یقین آتا ہے کہ ہاں! اس پُرفتنت دور میں بھی ایسے اللہ والے موجود ہیں جن کی سادگی اسلاف کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔

یقین اور مشاہدہ:

لوگ شاید کہیں کہ یہ مرید کی عقیدت ہے، لیکن میں اللہ پاک کی امید یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی ایک بار صدقِ دل سے اس چوکھٹ پر حاضر ہوگا، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ یہاں صرف زبان سے بیان نہیں ہوتا، بلکہ یہاں کی فضاؤں میں تقویٰ رچا بسا ہے۔ یہ وہ سادگی ہے جو بڑے بڑے

شاہوں کو فقیر بنا دیتی ہے اور وہ پرہیزگاری ہے جو گناہوں کے رسیا لوگوں کو اللہ کا ولی بنا دیتی ہے۔

تاثیرِ نظر: جب ایک اجنبی 'اپنا' بن گیا

اللہ والوں کی ایک نظر کیا اثر رکھتی ہے، اس کا ایک واقعہ میری اپنی آنکھوں نے دیکھا۔ سنہ 2009 کی ایک یادگار رات،حضرت کے خلیفہ کی رات 3 بجہ کال آئی اس نہ کہا حضرت جی رح سے بات کرین جب مجھے حضرت جی (رح) نے خیرپور کی کھجور کے 50 پودے لانے کا حکم دیا۔ میں نے پودے جمع کیے اور اپنے ساتھ ایک ایسے شخص کو لیا جو کھجور کے درخت لگانے کا ماہر تو تھا، مگر حضرت جی (رح) کی شخصیت سے بالکل ناآشنا اور اجنبی تھا۔ وہ پیر پگارا کا مرید تھا اور اسے اپنے مرید ہونے پر بڑا ناز تھا، وہ میری باتوں کو بس سرسری سن رہا تھا۔

پہلی ملاقات کا جادو:

جب ہم معہد (جھنگ) پہنچے، تو حضرت جی (رح) خود تشریف لائے۔ ابھی پہلی ہی ملاقات ہوئی تھی، چند ہی جملوں کا تبادلہ ہوا تھا کہ قدرت کا کرشمہ ظاہر ہوا۔ اس اجنبی شخص پر حضرت اقدس رح کے اخلاق اور ان کی نورانیت کا وہ اثر ہوا جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔

حیران کن فیصلہ:

جب کام مکمل ہوا اور ہماری واپسی کا وقت آیا، تو میں نے اس ساتھی سے چلنے کو کہا۔ اس نے جو جواب دیا وہ میرے ہوش اڑا دینے والا تھا۔ اس نے بڑے دو ٹوک انداز میں کہا:

"فقیر سکندر! تم نے جانا ہے تو جاؤ، میں تو اب یہیں رہوں گا۔ جو رنگ میں نے یہاں دیکھا ہے، وہ کہیں

اور نہیں دیکھا۔" وہ شخص جو چند گھنٹے پہلے تک بالکل لا تعلق تھا، وہ اب حضرت کا ایسا دیوانہ ہو چکا تھا کہ اسے اپنے گھر کی واپسی بھی بھول گئی۔ اس نے مجھ سے کہا: "جو تعارف تم نے کرایا تھا وہ تو کچھ بھی نہیں تھا، حضرت کی زیارت کا اثر تو تمہارے بیان سے کہیں بڑھ کر ہے

ایک مرید کی تڑپ اور شیخ کا استغنا

یہی وہ کشش ہے جو ہالا کی خانقاہ میں بھی نظر آتی ہے۔ ایک مرید دور دراز سے آنے والے اجنبی مسافروں کو اپنی خوشی سے افطار کرواتا ہے، ان کی خدمت کرتا ہے، لیکن جب وہ مرید شیخ کے پاس پہنچتا ہے، تو وہاں شیخ کا استغنا اور بے نیازی ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود کو ایک طالبِ علم سے زیادہ

کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ اللہ کا وہ نظام ہے جو صرف "جانے اور دیکھنے" سے سمجھ آتا ہے۔

جگر مراد آبادیؒ کا توبہ نامہ

اردو ادب کے عظیم شاعر جگر مراد آبادی اپنی زندگی کے ایک طویل حصے تک شراب کی لت میں اس قدر غرق تھے کہ مشاعروں میں بھی نشے کی حالت میں جایا کرتے تھے۔ ان کے دوست حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ جو خود شعائر تھے اور (جو خود حکیم ا لامت مو لانا اشرف علی تھانویؒ کے چنیدہ خلفاء میں سے تھے) جگر سے بہت پیار کرتے تھے اور اکثر انہیں تھانہ بھون چلنے کی دعوت دیتے۔

:عجیب شرط اور بے مثال ظرف

جگر صاحب نے ایک دن تنگ آکر شرط رکھ دی کہ:
"مجذوب! میں تمہارے شیخ کے پاس ایک ہی
صورت میں جاؤں گا کہ میں شراب نہیں چھوڑوں گا،
وہاں بھی پیوں گا۔" حضرت مجذوبؒ نے جب یہ بات
حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو بتائی، تو آپ نے
وہ جواب دیا جو رہتی دنیا تک دعوت و تبلیغ کا
:سنہری اصول بن گیا

" جگر سے کہو وہ ضرور آئیں، وہ میرے مہمان بن کر
رہیں گے۔ مہمان کو اپنی عادت پوری کرنے کا حق
ہے، بس وہ خانقاہ میں نہ پیئیں (کیونکہ وہ پبلک کی
جگہ ہے) بلکہ میرے کمرے میں پی لیں، مجھے کوئی
"!اعتراض نہیں

:تین دن کا قیام اور دل کی تبدیلی

جگر مراد آبادیؒ جب خانقاہ پہنچے اور حضرت کی مجلس میں بیٹھے، تو وہاں کی نورانیت اور حضرت کے اخلاق نے ان کے اندر وہ ہلچل مچائی کہ شراب پینا تو دور کی بات، انہیں بوتل نکالتے ہوئے بھی شرم آنے لگی۔ وہ جگر جو شراب کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے تھے، تین دن تک حضرت کی ایسی صحبت ملی کہ مئےِ انگور کی جگہ "مئےِ وحدت" کا نشہ چڑھ گیا۔ تین دن بعد جب جگر وہاں سے نکلے تو چہرے پر سنتِ رسول ﷺ (داڑھی) سج چکی تھی اور دل گناہوں سے پاک ہو چکا تھا۔

تاریخی جملہ اور استقامت:

جب جگر گھر پہنچے تو ان کی حالت دیکھ کر ڈاکٹروں نے کہا: "جگر! تم برسوں سے پی رہے ہو، اگر یکدم چھوڑی تو تمہارا جگر (عضو) پھٹ جائے گا اور

تم مر جاؤ گے، اسے آہستہ آہستہ چھوڑو۔" جگر مراد آبادیؒ نے وہ تاریخی جملہ کہا جو آج بھی ایمان والوں کا لہو گرما دیتا ہے:

"ڈاکٹر صاحب! میں مرنا تو پسند کروں گا، مگر اب اللہ کی نافرمانی کی گندگی اپنے حلق میں نہیں اتاروں گا!"

اللہ نے انہیں ایسی صحت اور زندگی دی کہ وہ مکمل تائب ہو کر اللہ کے ولی بن گئے۔ ان کی اس کایا پلٹ پر مشرق کے افق پر یہ شعر گونجا:

"رندِ خراب حال کا اب حال دیکھیے

چلو دیکھ آئیں تماشہ جگر کا

سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوا ہے"

اختتامی کلمات: دعوتِ مشاہدہ

یہ تمام واقعات، چاہے وہ جگر مراد آبادیؒ کی توبہ ہو وہ تو محض لفظوں کا سہارا ہے، لیکن حقیقت کا پتہ تو تب چلے گا جب آپ خود "خانقاہِ دارِ احسان" (ہالا) تشریف لائیں گے۔

!یاد رکھیے

یہ تحریر، یہ واقعات اور یہ الفاظ تو اس سمندر کا ایک قطرہ بھی نہیں جو وہاں لہریں مار رہا ہے۔ اس فقیر نے جو کچھ یہاں قلمبند کیا ہے، یہ تو کچھ بھی نہیں؛ میرے شیخ کی ذات، ان کا تقویٰ اور ان کی روحانیت تو اس سے کہیں آگے کی چیز ہے۔ یہ وہ خوشبو ہے جو سونگھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ وہ جام ہے جو پینے سے تعلق رکھتا ہے۔

میرا مشورہ یہی ہے کہ باتوں پر اکتفا نہ کریں، بلکہ ایک بار خود چل کر دیکھیں کہ اللہ کے ولی کس طرح مٹی کو سونا بناتے ہیں۔

...یہ تو صرف ایک جھلک ہے

آخر میں، میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اس تحریر میں جو کچھ بھی بیان کیا ہے، وہ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی زندگی اور ان کی روحانیت کا بمشکل دس فیصد (10%) بھی نہیں ہے۔ بہت سے مشاہدات، کیفیات اور حقیقتیں ایسی ہیں جنہیں میں نے ابھی لکھنا مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ آج کے دور میں لوگوں کے ایمان اور فہم ابھی اتنے قوی نہیں کہ وہ ان روحانی اسرار و رموز کا بوجھ اٹھا سکیں۔

ان شاء اللہ، جب وقت آئے گا اور ظرف پیدا ہوں گے، تو ان پوشیدہ پہلوؤں پر بھی قلم اٹھایا جائے گا۔ فی الحال اس فقیر کی یہ ٹوٹی پھوٹی تحریر صرف اس لیے ہے کہ پیاسوں کو چشمے کا پتہ چل جائے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو منزل کا سراغ مل جائے۔

دعا ہے کہ اللہ پاک اس عاجز کو شیخ کی سچی نیت اور اخلاص کے ساتھ خدمت کی توفیق دے اور اسے میری آخرت کا ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔